جامعۃ الملک سعود (ریاض، سعودی عرب) میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ کا

ماہانہ میگزین ارتکاز

شمارہ نمبر (۳) مئی ۲۰۲۲ء مطابق شوال ۱۴۴۳ھ

ایڈیٹر

یاسر اسعد

ایڈیٹر

یاسر اسعد

مجلس مشاورت

حسان ابوالمکرم

جنید یوسف عبدالرقیب

احسن جمیل انصار احمد

محمد عمر صلاح الدین

مشمولات مجلہ

عربی مضامین

افتتاحیہ

وطن عزیز ہندوستان آزادی اور تقسیم کے بعد سے برابر فرقہ پرستی کا شکار رہا ہے۔ پہلے فرقہ پرست تنظیمیں چھپ کر اپنی دکانیں سجاتی تھیں، اور نوع بہ نوع کے نعرے، لٹریچر، جلسے جلوس فراہم کرتی تھیں، مگر جب نفرت کے خریدار بڑھنے لگے تو یہ تنظیمیں بھی اپنی دکان تنگ و تاریک گلیوں سے نکال کر لب سڑک لے آئیں اور پورے شد و مد سے وہیں براجمان ہو گئیں۔ فرقہ وارانہ فسادات کی بہتات، مسلم نوجوانوں کی بے جا گرفتاریاں، ہراسانی، پولیس کی بربریت، مساجد پر قہر اور اس جیسے درجنوں عذاب قوم مسلم پر اس طرح مسلط کیے گئے کہ اس قوم کا نوجوان گھبرا کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ کہیں تقسیم وطن کا فیصلہ درست تو نہیں تھا؟ حالات کو بھانپنے میں ہمارے بزرگوں سے کوئی چوک تو نہیں ہو گئی؟ اس جیسے بے شمار سوالات دماغ کے اندر پیدا ہوتے رہتے ہیں اور امر واقع سے جواب چاہتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ ۲۰۱۴ء سے زعفرانی اقتدار آنے سے ان مظالم میں اضافہ ہی ہوا ہے، اور جبر و قہر کی داستانیں شبانہ روز بڑھتی جا رہی ہیں، اور ملک انہیں راستوں پر گام زن ہے جن پر آر ایس ایس اور اس کی ہم نوا تنظیمیں چاہتی ہیں اور جس کے لیے کافی عرصے سے پلاننگ کی جا رہی تھی۔ مگر دوسری طرف خود احتسابی کے نظریے سے ہم اپنے گریبان میں جھانکیں اور اس عفریت کا سامنا کرنے کے لیے اپنی 'پلاننگ' تلاش کریں تو شدید مایوسی ہوتی ہے، اور مجموعی طور پر قوم کے حالات دیکھ کر اکثر لوگوں کی زبان سے یہی نکلتا ہے کہ اب ہمارا کچھ نہیں ہو سکتا۔

ہمارا کچھ کیوں نہیں ہو سکتا، اس بات پر جب غور کیا جائے اور محاسبہ کی نیت سے غور کیا جائے تو چند بنیادی باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ اور یہ باتیں نتیجہ کے طور پر نہیں ابھرتیں بلکہ اسباب

وجوہات کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ جو چیزیں خرابی کا باعث بنتی ہیں ان سے پرہیز کیا جائے اور ترقی کے عوامل پر زرخیز نظر رکھی جائے تو صورت حال کافی تبدیل ہو سکتی ہے اور واقعتاً ہمارا کچھ ہو سکتا ہے۔

اس ضمن میں سب سے بنیادی بات اتحاد و اتفاق کی آتی ہے، یہ اتفاق ہمیں غیروں سے نہیں کرنا ہے بلکہ پہلے اس کے لیے درونِ خانہ زمین ہموار کرنی ہے۔ ہمارے اپنے مسلمان بھائیوں سے مسلکی اختلافات کے سبب اتنے شدید تحفظات ہیں جو دیگر غیر مسلم برادران وطن سے نہیں ہیں۔ معاملہ چاہے دینی درس گاہوں کا ہو یا قومی جمعیتوں اور تنظیموں کا سب جگہوں پر اختلاف کی اتنی صورتیں نظر آتی ہیں کہ جمال الدین افغانی مرحوم کا قول یاد آجاتا ہے: مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ کبھی متفق نہیں ہوں گے۔ مرحوم کی قول شکنی کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ دینی درس گاہوں کے اندر داخلہ و قبول کی روش میں تبدیلی لائی جائے، بین المدارس پروگرام منعقد ہوں جن کی نیت و نوعیت خالص علمی ہو، دوسرے اداروں سے مہمان اساتذہ کے توسیعی محاضرات کرائے جائیں، ان چیزوں سے ایک طرف علمی ترقی ہوگی، فکری وسعت پیدا ہوگی تو وہیں باہمی غلط فہمیوں کے ازالے میں معاونت ہوگی۔ یہ اتحاد عمل میں آگیا تو ان شاء اللہ غیر مسلموں میں دعوتی پیش رفت کی راہ ہموار ہوگی اور وہ ساری قوت جو آپسی جھگڑوں میں خرچ ہوتی تھی ایک مثبت رخ اختیار کرلے گی اور اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں کام آئے گی۔

بات جب دعوت و تبلیغ کی آتی ہے تو اس کمی کا احساس شدت سے ہوتا ہے جو ہم ہندی زبان کے ساتھ روا رکھ رہے ہیں۔ ہم جو کہ اس ملک میں استقرار چاہتے ہیں، فاشزم کے خلاف بلا قید مسلک و مذہب لڑنا چاہتے ہیں، اپنے دین کا تحفظ چاہتے ہیں، مگر ہم اس بنیادی وسیلے کو فراموش کیے بیٹھے ہیں جس سے ہمارے دل کی آواز دوسروں تک پہنچ سکے۔

ہندی ہمارے ملک کی سرکاری زبان ہے، اور اس کے سمجھنے والے سب سے زیادہ ہیں،

غیروں کو چھوڑیے خود مجموعی طور پر مسلمان بھی اردو سے زیادہ ہندی کو پڑھتے اور سمجھتے ہیں، مگر ہم ان تک بھی اپنا پیغام صحیح طور پر پہنچانے میں ناکام ہیں۔ ہماری ساری کدوکاوش اردو و عربی تک محدود ہے، خصوصا دینی معاملات میں جن کی تبلیغ وترویج کا طریقۂ خداوندی یہ رہا ہے کہ وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہندی اور اردو کے مابین خلیج اتنی گہری نہیں ہے کہ دونوں کو علیحدہ زبان باور کیا جاسکے، رسم الخط اور چند کلمات کے فرق سے ہم اپنی بات بآسانی دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود دینی مدارس کی روش اس زبان کے معاملے میں انتہائی افسوس ناک ہے۔ انگریزی کا معاملہ اس سے سوا ہے۔ ان دو زبانوں سے بے توجہی کے سبب ہم مین اسٹریم سے تقریباً غائب ہیں، اور یہی آر ایس ایس اور اس کی ہم نوا تنظیمیں بھی چاہتی ہیں کہ امور مملکت سے مسلمان جس قدر دور رہیں ان کے حق میں بہتر ہے۔

لکھنے کی باتیں اور بہت ہیں، فی زمانہ مشورہ دینا سب سے آسان کام ہے، اور صحیح رائے پر عمل پیرا ہونا اتنا ہی مشکل۔ اس لیے مضمون کو مزید طول نہ دے کر عرض یہی ہے کہ مندرجہ بالا دو باتوں پر اگر سنجیدگی سے غور کرلیا جائے اور اس تعلق سے ذمہ داریوں کو محسوس کیا جائے تو صورت حال میں تبدیلی آنے کا قوی امکان ہے۔

* * * * * * * *

عید کی خوشیوں کو "عبادت" سمجھیں

محمد عمر صلاح الدین
معہد اللغویات العربیہ، جامعۃ الملک سعود

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وآله وأصحابه أجمعين أما بعد!

قارئین کرام!

عید الفطر اور عید الاضحیٰ جیسے پر مسرت اور فرحت و انبساط بھرے لمحات میں کون نہیں چاہتا کہ اپنے وطن میں رہ کر اہل خانہ کے ساتھ ان کی خوشیوں کا نہ صرف حصہ بنے بلکہ اپنے وجود سے والدین اور دیگر اعزا و اقربا کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکے اور ان کی شادمانیوں کو دوبالا کر سکے۔

امر واقع میں یہ چیز انسانی فطرت کی ایسی خاموش آواز ہے جس کی تعبیر کے لیے میں ذاتی طور پر فقط اتنا عرض کرتا چلوں کہ در حقیقت اس مضمون کی پس نوشت ہی کچھ یوں ہے کہ جب عمر عزیز کے اس مختصر سے سفر میں ایسا پہلی بار ہوا کہ آج سے تقریباً سال بھر سے زائد عرصے میں وطنِ عزیز ہندوستان سے دور بغرض تعلیم ارض حرمین میں بتوفیق الٰہی اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے دوبار اپنے اہل خانہ کے ساتھ عید الفطر کی خوشیوں اور مسرتوں کو بٹورنے سے محروم رہنا پڑا، تا آنکہ اس اضطرابی صورت حال نے دل و دماغ کو ہمیشہ بالخصوص عیدین کے موقعوں پر وطن کی حسرتوں اور تمناؤں سے معمور ہی نہیں بلکہ وطن واپسی سے لبریز آرزوؤں کا تلاطم خیز اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی ہمہ وقت طبیعت کو مہمیز کرنے لگا، اس کے باوصف بھی اگر یہ آرزوئیں بار آور نہ ہو سکیں اور ان کی تکمیل محض ایک خواب بن کر رہ جائے جو کہ فی الواقع ایسا ہی ہوا، تو آنسوؤں کا چھلکنا اور گرم پانی کے دبیز پردوں سے آنکھوں کا ڈھک جانا، انسانی طبیعت کی اس نازک کیفیت کو قابو کر پانا تو کم از کم مجھ جیسے لوگوں کے لیے قدرے مشکل امر ہے۔ سچ کہا ہے:

بلادي وإن جارت علي عزيزة
وأهلي وإن ضنوا علي كرام

ہزاروں پریشانیوں کے باوجود وطن کی محبت کبھی دل سے مندمل نہیں ہو سکتی، اہل خانہ کی لاکھ ناقدری ہی سہی البتہ وہ سب ہمارے دلوں میں ہوتے ہیں۔

چونکہ اب تلک کے ایامِ عید امر شرعی کی رو سے کہیں زیادہ فطری محرکات و جذبات کے تابع ہو کر منانے کے عادی تھے، ایسے وقت میں مغمومیت کی اس انفرادی کیفیت نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ دراصل عیدین کے مواقع بھی بہر صورت فطری جذبات و احساسات کو اسلامی تعلیمات کے تابع رکھنے کے ہوتے ہیں، لہٰذا دوسروں سے زیادہ مجھے اپنی ذات کی تذکیر و نصیحت کے طور پر یہ لمحۂ فکریہ دینے کی ضرورت پیش آئی کہ عیدین کی خوشیوں کا منبع

ومصدر ہماری ظاہر پسند اور جلد باز انسانی طبیعت ہی نہیں بلکہ رضائے الٰہی کی خاطر اسے "امر تعبدی" سمجھتے ہوئے نہ صرف خوشیوں کی تکبیرات اور رکوعات وسجود کی بجا آوری سے فرمانِ الٰہی ﴿ولتكبروا الله﴾ الخ کی تعمیل کی جائے بلکہ مسرت وشادمانی کے تمام جائز مظاہر واشکال کو بھی بروئے کار لانے میں چنداں حرج محسوس نہیں کرنا چاہیے مبادا مخالفتِ شرع کی پاداش میں منعمِ حقیقی کی عطا کردہ نعمتوں اور بخششوں سے محرومی ونامرادی ہاتھ آجائے۔

کیوں؟

● اس لیے کہ عید الفطر کے موقع پر بنص قرآنی اللہ رب ذوالجلال نے ہمیں بذریعہ تکبیر وتہلیل، احسان مندی، ممنونیت اور شکر وسپاس بجالانے کا حکم ان الفاظ میں دیا ہے: ﴿يريد ٱلله بكم ٱليسر ولا يريد بكم ٱلعسر ولتكملوا ٱلعدة ولتكبروا ٱلله علىٰ ما هداكم ولعلكم تشكرون﴾ [۱]

چونکہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر اور اس کی بڑائی کا بیان تعظیم ربانی کا وہ عنصر ہے جو شکر وامتنان کی عمومیت میں بہر کیف داخل ہے اس لیے کہ ادائیگیٔ شکر، احسان مندی اور اعترافِ مہربانی بقول شاعر

أفادتكم النعماء مني ثلاثة
يدي ولساني والضمير المحجبا

زبان ودل اعضا وجوارح سب سے انجام پاتے ہیں کہ قلب وضمیر ہمیشہ عظمت الٰہی سے معمور رہے، رب العزت والجلال کی کبریائی اور پاکیزگی کے کلمات سے زباں ہمیشہ محوِ ترانہ ہو، اور سب سے بڑھ کر مالی وجسمانی طور پر جملہ نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا جذبۂ کامل بھی کار فرما ہو، یوں عید کے دن شکریۂ الٰہی کے عملی مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ ہم اچھے سے اچھا لباس زیب تن کریں۔

یہی بات چودھویں صدی ہجری کے معروف مفسر محمد بن طاہر بن عاشور تیونسی (۱۳۹۳ھ) رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں بالاختصار یوں لکھتے ہیں:

"فإن التكبير تعظيم يتضمن شكرا والشكر أعم؛ لأنه يكون بالأقوال التي فيها تعظيم لله تعالى، ويكون بفعل القرب من الصدقات في أيام الصيام وأيام الفطر، ومن مظاهر الشكر لبس أحسن الثياب يوم الفطر" [۲]

● اس لیے بھی کہ عید کی خوشیاں اللہ رب ذوالجلال کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے بیش قیمت تحفہ ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ اپنی تشریف آوری کے موقعے پر اہل جاہلیت کے یہاں کھیل کود کے دو متعین شدہ دنوں کے بالمقابل اہل اسلام کو یہ نوید سنائی تھی:

"قد أبدلكم الله بهما خيراً منهما: يوم الأضحى ويوم الفطر" [۳]

اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں کے بدلے میں تمہیں دو بہترین دن عید الاضحیٰ اور عید الفطر عطا فرما دیے ہیں۔

گویا اسلامی شریعت ان دونوں ایام کو ہمارے

(۱) البقرہ ۲/ ۱۸۵

(۲) التحریر والتنویر لابن عاشور ۲/ ۱۷۷

(۳) أخرجه أبو داود کتاب الصلاۃ باب صلاۃ العیدین حدیث نمبر ۱۱۳۴

لیے گلدستۂ فرحت و مسرت کے طور پر عنایت فرما رہی ہے جس کی قدر دانی ہم اہل اسلام کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

● اس لیے کہ عید کے موقع پر اظہار خوشی شعائر دین میں سے ہے چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیثِ بعاث میں آپ علیہ السلام نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے عید کے موقعے پر انصار کی چند بچیوں کے گانے پر سخت نکیر کی تھی، مخاطب کر کے فرمایا:

"يا أبا بكر! إن لكل قوم عيدا، وإن عيدنا هذا اليوم"[1]

اے ابو بکر! ہر قوم کے یہاں خوشی کا ایک دن مقرر ہوتا ہے آج یہ دن ہمارے لیے خوشی کا دن ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اسی مفہوم کی ایک حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

".....أن إظهار السرور في الأعياد من شعارِ الدينِ"[2]

عیدین کے موقعوں پر خوشی و مسرت کا اظہار دین کا شعار ہے۔

اور شعائر اسلامیہ کی تعظیم در اصل دلی خوف وخشیت کی علامت ہے۔

﴿ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب﴾[3]

● اس لیے کہ ایام عید میں خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا بھی معمول مبارک تھا کہ مختلف طریقوں سے اظہار مسرت کیا کرتے تھے چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عطارد التیمی کو ریشمی کپڑے کا جوڑا فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اسے خریدنے کی پیشکش کی کہ آپ اسے وفود کی آمد، عید اور جمعہ کے موقعوں پر پہن لیا کریں تو آپ نے فرمایا:

"إنما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة"[4]

دنیا میں ریشمی لباس وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۵ھ) مذکورہ حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں:

"أن الحديث يدل على أن التجمل للعيد كان أمرا معتادا بينهم"[5]

اس حدیث سے کم از کم یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ عید کے لیے بہترین لباس کا اہتمام عہد رسالت میں عام معمول تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبي صلی اللہ علیه وسلم وأصحابه المدینة، حدیث نمبر ۳۹۳۱

(۲) فتح الباري بشرح صحیح البخاري، ۳/۲۶۴ کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید. رقم: ۹۴۹

(۳) الحج: ۲۲/۳۲

(۴) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب من تجمل للوفود، حدیث نمبر: ۶۰۸۱
صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة، حدیث نمبر: ۲۰۶۸

(۵) فتح الباری لابن رجب ۶/۶۸

بارے میں آپ کے غلام نافع بیان فرماتے ہیں کہ آپ عیدین کے موقع پر بہتر لباس پہنا کرتے تھے۔[۱]

● عید کی خوشیوں میں ہماری شرکت از روئے شریعت اس لیے بھی ضروری ہے کہ بندوں کے وہ تمام تر ظاہری وباطنی اقوال وافعال اور حرکات وسکنات جس میں اگر ذرہ برابر بھی رضائے الٰہی کا عنصر موجود ہے تو وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس جامع تعریف (اسم جامع لكل ما يحبه الله ويرضاه من الأقوال والأفعال الظاهرة والباطنة) کے بموجب "عبادت" شمار ہوتی ہے۔

اس مناسبت سے مذکورہ تصریحات کی روشنی میں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ والدین، رشتے دار یا زوجین اور دیگر اقربا کی رحلت وجدائی یا زمان ومکان کی نا ہموارگی اور نشیب و فراز کے باوجود بھی ہمیں بحیثیت مسلمان اپنے جذبات واحساسات سے بالاتر ہو کر اور اسلامی تعلیمات کے تابع وفرمانبردار بن کر عید کی تعبدی اور شرعی خوشیوں کو درکنار نہیں کرنا چاہیے کہ یہ رب تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کی علامت ہے، جو بہر حال انعامات خداوندی سے محرومی کا سبب بھی ہے، بلکہ ہمیں حتی الوسع ایسے شاد آفریں موقعوں پر قوم، قبیلے خاندان اور اہل خانہ کے ساتھ مل کر اس میں بھرپور حصہ لینا چاہیے کہ یہ تشکر وامتنان کا مظہر ہے:

﴿لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم إن عذابي لشديد﴾[۲]

اس تناظر میں ان خطباء اور واعظین حضرات کو بھی ہم یہ دعوت فکر دیتے ہیں جو ایسے موقعوں پر ملک وملت کے نامساعد حالات اور اہل اسلام کی لاچارگی، مظلومیت اور مقہوریت کی دہائی دے کر عید کی خوشیاں کافور کرنے کی کوشش کرتے ہیں!!

یہ دراصل ہماری اسلامی اصولوں کی تربیت سے غفلت کا نتیجہ ہے کہ جس طرح کہ نماز ہم خواہ ملکی وملی حالات کیسے بھی ہوں، نہیں ترک کر سکتے اسی طرح ہم عید کی خوشیوں کو اسلامی شعار کا حصہ سمجھتے ہوئے اس کی بجاآوری سے ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور سر مو انحراف نہیں کر سکتے۔

لہٰذا عید الفطر کی مناسبت سے بس اتنا ہی کہ:

گلشن کو کر رہی ہے معطر ہوائے عید
آتا نہیں ہے کچھ بھی نظر ماسوائے عید
میری طرف سے عید مبارک ہو آپ کو
میرے تو پاس ہے یہی تحفہ برائے عید

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو شعائر دین کی تعظیم اور اس کی کماحقہ ادائیگی کی توفیق بخشے آمین۔

---

(۱) ایضا.

(۲) ابراھیم ۱۴/ ۷

تبرک: حلت و حرمت کے درمیان

احسن جمیل انصار احمد

شعبۂ اسلامیات، کلیۃ التربیہ، جامعۃ الملک سعود

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم محمد، وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

عقیدہ میں بگاڑ کی جملہ وجوہات میں سے ایک وجہ کچھ شرعی اصطلاحات کا غلط مفہوم سمجھنا اور ماننا بھی ہے۔ تبرک کا مسئلہ بھی انہی اصطلاحات میں سے ہے۔ چنانچہ اکثر اوقات ایسی چیزوں سے تبرک حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن سے تبرک کا حصول شرعاً ثابت نہیں ہوتا یا اس ہیئت و کیفیت کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو شریعت سے ثابت ہے۔ اس مضمون کے اندر تبرک کے متعلق انہی چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

تبرک عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس لیے جب ہم اس کے معنی کو سمجھنے کے لیے عربی زبان کی ڈکشنریوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ "تبرك يتبرك تبركا" کا مصدر ہے اور اس کا معنی "برکت کا طلب کرنا" ہے۔[1] اور خود برکت کا معنی بڑھوتری اور زیادتی ہے۔[2]

علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں: برکت کسی چیز کے اندر بھلائی کے ثبوت کو کہتے ہیں.... اور چوں کہ اللہ کی جانب سے حاصل ہونے والی بھلائی غیر محسوس ہوتی ہے جس کا نہ تو شمار کرنا ممکن ہے اور نہ ہی سب کو جمع کرنا ممکن ہے اس لیے ہر وہ چیز جس میں زیادتی و بڑھوتری نہ تو محسوس ہو اور نہ ہی اسے دیکھا جا سکے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مبارک ہے اور اس کے اندر برکت ہے۔[3]

جس چیز کے ذریعے برکت حاصل کی جاتی ہے کبھی اس کے اندر برکت دینی ہوتی ہے اور کبھی دنیوی ہوتی ہے اور کبھی دینی و دنیوی ایک ساتھ ہوتی ہے۔

دینی برکت کی مثال مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) ہیں اس لیے کہ ان مساجد میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے کئی گنا زیادہ ہے۔

دنیوی برکت کی مثال پانی اور دودھ ہیں اس لیے کہ اس میں بہت سارے دنیوی فائدے ہیں۔

دینی اور دنیوی برکت کی مثال قرآن ہے جس کے اندر بہت سارے دنیوی اور دینی فائدے ہیں، اس کی برکت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جس نے قرآن کو اپنا لیا وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو گیا۔ اسی طرح قرآن مجید دل کے ساتھ جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے۔ اس کی ایک دوسری مثال ہمارے نبی ﷺ ہیں۔ چنانچہ جس نے بھی آپ ﷺ کی پیروی کی اور آپ ﷺ کے طریقے پر اپنی زندگی گزاری اس کی دنیا بھی سنور گئی اور ساتھ آخرت بھی۔ اسی طرح آپ ﷺ کے جسم اور آپ ﷺ کے آثار مبارکہ میں بھی بے شمار دینی اور دنیوی برکتیں موجود ہیں۔

تبرک کی قسمیں:

تبرک کی دو قسمیں ہیں:

---

(۱) التبرک انواعہ واحکامہ، ص: ۳۰

(۲) لسان العرب، ۱۰/۳۹۵

(۳) مفردات الفاظ القرآن الکریم، ص: ۱۱۹-۱۲۰

(۱) مشروع تبرک (۲) ممنوع تبرک

مشروع تبرک:

مشروع تبرک یہ ہے کہ ایسی چیز سے تبرک حاصل کیا جائے جس کے بارے میں شرعی طور سے ثابت ہو کہ وہ چیز بابرکت ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس سے برکت حاصل کرتے ہوئے شرعی صفت کا بھی التزام کیا جائے۔ اس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱- قرآن میں برکت ہے اور اس برکت کو حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے، یہی اس کی برکت ہے اور اسی سے اللہ سے اجر کی امید بھی ہے۔ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[1]

یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[2]

یہ کتاب ہم نے بھیجی ہے بڑی خیر وبرکت والی ہے اس لیے اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔

اور اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ[3]

جو لوگ بھی اللہ کے گھروں (مساجد) میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور باہمی پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینت اتر آتی ہے اور انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

۲- نبی ﷺ کے ذریعے تبرک آپ ﷺ کی زندگی میں ہوگا۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اعضائے شریفہ سے جو چیزیں علیحدہ ہوئیں اس کے ذریعے بھی تبرک حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح آپ ﷺ پر ایمان لاکر اور آپ کی اطاعت کرکے آپ کے ذریعے تبرک حاصل ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں:

كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا[4]

رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات کی سورتیں پڑھ کر اپنے آپ پر دم کرتے پھر جب آپ کی تکلیف زیادہ ہوگئی تو میں ان سورتوں کو پڑھ کر آپ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ کے جسد اطہر پر پھیرتی تھی۔

حضرت اَبوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وَضُوئِهِ فَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ.[5]

---

(۱) سورة ص، آیت نمبر: ۲۹

(۲) سورة الانعام، آیت نمبر: ۱۵۵

(۳) صحیح مسلم: کتاب الذکر و الدعاء والتوبة والاستغفار: باب فضل الاجتماع علی قراءة القرآن (۲۶۹۹)

(۴) متفق علیہ، صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن: باب فضل المعوذات (۵۰۱۶)، صحیح مسلم: کتاب السلام: باب رقیة المریض بالمعوذات والنفث (۲۱۹۲)

(۵) متفق علیہ، صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب استعمال فضل وضوء الناس (۱۸۷)، صحیح مسلم: کتاب الصلاة: باب سترة المصلی (۵۰۳)

ایک دن رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا تو آپ نے وضو فرمایا۔ پھر لوگ آپ کے وضو سے باقی ماندہ پانی لینے لگے اور بدن پر ملنے لگے۔

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

أَرْسَلَنِي أَهْلِي إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ - وَقَبَضَ إِسْرَائِيلُ ثَلاَثَ أَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ - فِيهِ شَعَرٌ مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَهُ، فَاطَّلَعْتُ فِي الجُلْجُلِ، فَرَأَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا[1]

مجھے گھر والوں نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کی ایک پیالی دے کر بھیجا... راویٔ حدیث اسرائیل نے اپنی انگلیاں بند کر لیں، یعنی وہ پیالی بہت چھوٹی تھی... اس میں ایک گچھا تھا جس میں نبی ﷺ کے موئے مبارک تھے، جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی بیماری ہوتی تو وہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پانی کا برتن بھیج دیتا۔ (حضرت عثمان بن موہب کہتے ہیں) میں نے اس ڈبیہ میں جھانکا تو مجھے چند ایک سرخ بال دکھائی دیے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ جو شخص بیمار ہوتا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس برتن بھیج دیتا اور وہ اس کے اندر ان بالوں کو ڈال دیتیں اور اس میں دھل دیتیں اور پانی والا برتن واپس کر دیتیں پھر بیمار اسے شفایابی کے لیے پی لیتا یا اس سے نہالیتا تو اس کی برکت حاصل ہو جاتی۔[2]

اوپر ذکر کی گئی نصوص سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات اور آپ کے جسم سے ملحق چیزوں سے آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد بھی تبرک حاصل کیا جا سکتا ہے مگر اس زمانے آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے آثار مفقود ہو چکے ہیں اور جو لوگ نبی ﷺ کے بال یا لباس یا کسی دوسری چیز کی موجودگی کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کی صحت یا ثبوت مشکوک ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے آثار جیسے کپڑے، بال یا فضلات وغیرہ مفقود ہو چکے ہیں اور کسی بھی شخص کے لیے ان میں سے کسی چیز کا قطعیت اور یقین کے ساتھ ثابت کر پانا ناممکن ہے۔“[3]

بہر حال نبی ﷺ کے ذریعے تبرک حاصل کرنے کی سب سے بہترین اور اعلیٰ صورت یہی ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی اتباع کی جائے اور ظاہر و باطن میں آپ ﷺ کے طریقے پر چلا جائے اسی میں تمام تر بھلائی موجود ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”نبی ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد اہل مدینہ خیر و برکت میں رہے اس لیے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے اور آپ کی اطاعت کی تھی، اور اس برکت کے سبب انہیں دنیوی و اخروی سعادت نصیب ہوئی، بلکہ جو مومن بھی رسول ﷺ پر ایمان لائے گا اور آپ کی اطاعت کرے گا تو اس ایمان اور اطاعت کے سبب نبی ﷺ کی برکت میں سے دنیا و آخرت کی اس قدر بھلائیاں نصیب ہوں گی جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔“[4]

۳- مشروع تبرک حاصل کرنے کا ایک طریقہ شرعی آداب کو ملحوظ رکھنا اور بہترین عادات کو اپنانا بھی ہے۔ چنانچہ کھانے پینے کی چیزوں میں برکت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دستر خوان پر اکٹھا بیٹھ کر کھایا جائے، اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کیا جائے اور کھانے کے بعد انگلیوں اور پلیٹ کو اچھی طرح صاف کیا جائے۔ حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا

---

(۱) صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب ما یذکر فی الشیب (۵۸۹۶)

(۲) فتح الباری، ۷/۱۶۰

(۳) التوسل انواعہ واحکامہ، ص: ۲۶۰

(۴) مجموع الفتاویٰ: ۱۱/۱۱۳

رَسُولَ اللّٰہِ إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ [۱]

اصحاب نبی کریم ﷺ نے کہا: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ! ہم کھاتے ہیں مگر سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "شاید تم لوگ علیحدہ علیحدہ ہو کر کھاتے ہو؟" انہوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اکٹھے ہو کر کھایا کرو اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو، اس میں تمہارے لیے برکت پیدا کر دی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث کے اندر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيَّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ [۲]

جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھالے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کس میں برکت ہے۔

رزق کے حصول میں صبح سویرے نکل پڑنے کے متعلق نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا [۳]

اے اللہ! میری امت کے لیے ان کی صبحوں میں برکت ڈال دے۔

خرید وفروخت کے وقت سچ بولنا بھی برکت کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا

بیچنے اور خریدنے والے (دونوں) کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوئے ہوں۔ اگر وہ سچ کہیں اور صاف صاف بیان کریں تو ان کی خرید وفروخت میں برکت ہو گی۔ اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو ان کی بیع سے برکت جاتی رہے گی۔

ان کے علاوہ بھی مشروع تبرک کے حصول کے مختلف ذرائع موجود ہیں جو ہمیں ممنوع تبرک سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

ممنوع تبرک:

ممنوع تبرک کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تبرک شرکی (۲) تبرک بدعی

(۱) **تبرک شرکی:** تبرک حاصل کرنے والے کا یہ عقیدہ رکھنا کہ جس واسطے سے برکت حاصل کی جارہی ہے یعنی مخلوق بذات خود برکت عطا کرتا ہے اور خود ہی چیزوں کے اندر برکت ڈال دیتا ہے تو ایسا کرنا تبرک شرکی ہو گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی برکت کو پیدا کرنے والا اور اس کو چیزوں کے اندر رکھنے والا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

الْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰہِ [۴] برکت اللہ کی طرف سے ہے۔

چنانچہ اس برکت کو غیر اللہ سے طلب کرنا یا ایسا عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی برکت دے سکتا ہے شرک اکبر ہے۔

(۲) **تبرک بدعی:** جس چیز سے تبرک حاصل کرنے کے جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو اس چیز سے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے برکت حاصل کرنا کہ اللہ نے اس میں برکت رکھی ہے تبرک بدعی ہے۔ یا اسی طرح جس چیز سے تبرک حاصل کرنے کی دلیل موجود ہو مگر اس سے شرعی طریقے سے تبرک حاصل کرنے کے بجائے کسی دوسرے طریقے سے تبرک حاصل کرنا بھی بدعی تبرک ہے۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: کتاب الاطعمۃ: باب فی الاجتماع علی الطعام (۳۷۶۴) وسنن ابن ماجہ: کتاب الاطعمۃ: باب الاجتماع علی الطعام (۳۲۸۶)، حسنہ الالبانی

(۲) صحیح مسلم: کتاب الاشربۃ: باب استحباب لعق الاصابع (۲۰۳۵)

(۳) سنن ابوداؤد: کتاب الجہاد: باب فی الابتکار فی السفر (۲۶۰۶)، سنن ترمذی: کتاب البیوع: باب ماجاء فی التبکیر بالتجارۃ (۱۵۳۲) وصححہ، وکذلک الالبانی

(۴) صحیح بخاری: کتاب الاشربۃ: باب شرب البرکۃ والماء المبارک (۵۶۳۹)

بدعی تبرک بلاشبہ حرام ہے اس لیے کہ اس میں ایک ایسی نئی عبادت کی ایجاد ہے جس کی قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں یا کسی ایسی چیز کو برکت کا سبب بنالینا ہے جو درحقیقت با برکت ہے ہی نہیں۔ اور یہ شرک اصغر کی ایک قسم ہوگی۔(۱)

اس بدعی تبرک کی تین شکلیں ہیں:

۱-اولیاء وصالحین سے ممنوع تبرک کا حصول:

نبی ﷺ کے جسم اطہر اور آثار مبارکہ جیسے کہ آپ کے بال، آپ کا پسینہ اور آپ کے کپڑوں سے تبرک حاصل کرنے کی بہت ساری دلیلیں موجود ہیں لیکن کوئی بھی ایسی صحیح وصریح دلیل نہیں ملتی جس سے نبی ﷺ کے علاوہ دوسرے اولیاء وصالحین کے بدن اور آثار سے تبرک کا حصول ثابت ہو۔(۲) اب یہ تبرک چاہے انہیں چھو کر حاصل کیا جائے یا برکت کے لیے ان کے کپڑے پہنے جائیں یا ان کا جوٹھا پیا جائے یا ان کی قبروں کو بوسہ دیا جائے یا ان کی مٹی کا استعمال کیا جائے یا ان قبروں کے پاس نمازیں پڑھی جائیں ان سب کا شمار بدعی تبرک میں ہوگا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے اپنے ہاتھوں سے آپ کے کپڑے چھوئے اور پھر اپنے چہرے پر پھیر لیا تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ غصہ ہو گئے اور اس پر سخت نکیر کی اور کہا کہ تم نے یہ چیز کہاں سے سیکھی؟(۳)

۲-ایسی چیز سے تبرک حاصل کرنا جس کا بابرکت ہونا ثابت نہ ہو:

جیسے کہ کسی درخت یا پتھر وغیرہ سے تبرک حاصل کرنا تو یہ بھی بدعی تبرک کی ایک شکل ہوگی۔ جیسا کہ حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِينَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ يُعَلِّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ سُبْحَانَ اللَّهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (۴)

جب رسول اللہ ﷺ حنین کے لیے نکلے تو آپ کا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا جسے ذات انواط کہا جاتا تھا، اس درخت پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجیے جیسا کہ مشرکین کا ایک ذات انواط ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ ہمارے لیے بھی معبود بنا دیجیے جیسا ان مشرکوں کے لیے ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم گزشتہ امتوں کی پوری پوری پیروی کروگے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج سے لوٹتے وقت کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک مسجد میں اتر کر نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے جواب دیا کہ اس مسجد میں نبی ﷺ نے نماز پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا:

إنما هلك من كان قبلكم أنهم اتخذوا آثار أنبيائهم بيعا، من مر بشيء من هذه المساجد فحضرت الصلاة فليصل، وإلا فليمض (۵)

تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔ جب کسی

---

(۱) شرح تسہیل العقیدۃ الاسلامیۃ، ص: ۳۳۴

(۲) ایضاً، ص: ۳۳۷

(۳) الحکم الجدیرۃ بالاذاعۃ، ص: ۴۷

(۴) سنن ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجاء لترکبن سنن من کان قبلکم (۲۱۸۰) وقال: ھذا حدیث حسن صحیح، وصححہ الالبانی

(۵) مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۱۸ (۲۷۳۴)

شخص کا گزر ان مساجد کے پاس سے ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھ لے ورنہ آگے نکل جائے۔

۳- کسی مشروع یا فضیلت والے امر سے غیر شرعی طریقے سے تبرک حاصل کرنا:

بہت سارے نصوص شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ کئی جگہیں جیسے کہ کعبہ مشرفہ، مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) وغیرہ بابرکت ہیں۔ اسی طرح کئی اوقات متبرک ہیں جیسے کہ شب قدر اور یوم عرفہ وغیرہ۔ اسی طرح آب زمزم، روزہ دار کے لیے سحری اور رزق کی تلاش میں صبح سویرے نکلنا برکت کا سبب ہے۔ اور ان تمام چیزوں سے برکت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ان اوقات یا ان جگہوں پر جو عبادتیں مشروع ہیں انہیں ادا کیا جائے۔ اور جو طریقے قرآن و سنت میں مذکور نہیں ہیں ان طریقوں استعمال بچا جائے۔

چنانچہ کعبہ مشرفہ سے تبرک کا حصول اس کا طواف کرکے، اور تعبداً حجر اسود و رکن یمانی کا استلام کرکے، حالت طواف میں حجر اسود کا بوسہ دے کر، اس کے اندر نماز پڑھ کر ہو گا۔ مسجد حرام سے تبرک کا حصول اس میں نماز پڑھ کر اور اس میں اعتکاف کر کے ہو گا۔ شب قدر سے تبرک کا حصول اس رات قیام کرکے، قرآن کی تلاوت وغیرہ کرکے ہو گا۔ آب زمزم سے تبرک کا حصول اس کو پی کر اور بیماری سے شفا کے لیے اس سے نہا کر وغیرہ طریقے سے ہو گا۔ اسی طرح بقیہ بابرکت اشیاء سے تبرک قرآن و سنت میں مذکور طریقے سے ہو گا۔ اب جو شخص بھی ان بابرکت اشیاء سے ان کے ساتھ مذکورہ طریقے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے تبرک حاصل کرے گا تو یہ تبرک بدعی تبرک ہو گا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حجر اسود کو بوسہ دیا تو اس کے بعد فرمایا:

إني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع، ولو لا أني رأيت رسول الله ﷺ يقبلك ما قبلتك [1]

میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تمہارا بوسہ لیتے نہ دیکھتا تو میں تمہیں بوسہ نہیں دیتا۔

اسی طرح جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جب لوگوں کو مقام ابراہیم کو چھوتے دیکھا تو فرمایا:

لم تؤمروا بهذا، إنما أمرتم بالصلاة عنده [2]

تمہیں اس (کو چھونے) کا حکم نہیں دیا گیا ہے تمہیں تو صرف اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خود کعبہ - اللہ اس کے شرف و منزلت میں مزید اضافہ کرے- سے تبرک حاصل نہیں کیا جائے گا، اور اسی وجہ سے صرف حجر اسود کا بوسہ لیا جائے گا، اور صرف حجر اسود اور رکن یمانی کو چھویا جائے گا۔ اور اس بوسہ و چھونے کا مقصد صرف اللہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی ہے ان دونوں کو چھونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہاتھوں میں برکت آجائے۔"[3]

خلاصہ کلام یہی ہے برکت انہی چیزوں میں ہو گی اور تبرک انہی چیزوں سے ہو گا جن کا ذکر قرآن و سنت میں موجود ہے، اور جس تبرک کے لیے قرآن و سنت سے دلیل نہ ملے تو ایسا تبرک ممنوع ہو گا۔ ●●●●

---

(۱) متفق علیہ، صحیح بخاری: کتاب الحج: باب ماذکر فی الحجر الاسود (۱۵۹۷) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف (۱۲۷۰)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۴۱۶ (۱۵۵۱۲)

(۳) فتاویٰ ورسائل سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبد اللطیف آل الشیخ: ۵/۱۲

استدلال النصارى على ألوهية المسيح: عرضًا ونقدًا

حسان أبو المكرم

الطالب بمرحلة الماجستير في قسم الدراسات الإسلامية، كلية التربية، جامعة الملك سعود

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد...

قال الله تعالى: ﴿**لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ**﴾[١]

من الديانات السماوية المنتشرة على وجه الأرض وكثر أتباعها (النصرانية)، وهم أتباع عيسى عليه السلام من بني إسرائيل، وسموا نصارى نسبة لبلدة (الناصرة) وهي قرية المسيح عليه السلام.

ولأن هذا الدين محرف، ولم تبق النصرانية (المسيحية) على أسسها القديمة؛ بل ضلت وانحرفت عن الصراط المستقيم، وتشعّبت وظهرت منها فرق عديدة بعقائد متنوعة.

فبعد رفع الله تعالى لعيسى عليه السلام لم تمض بضع سنين حتى اختلف النصارى في المسيح عليه السلام، كما قال سبحانه: ﴿**وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ**﴾[٢]، ففي سنة ٣٢٥م عقد اجتماع بأمر الإمبراطور الروماني قسطنطين الذي اعتنق النصرانية يضم ممثلين لجميع الكنائس المسيحية لفصل الخلاف في ألوهية المسيح عليه السلام، فوصلوا إلى قرار إثبات ألوهية المسيح وحرق كل كتاب لا يقول بذلك، وفي سنة ٣٨١ عقد المجمع القسطنطيني الأول فقرر ألوهية (روح القدس).[٣]

وهذا البحث المعنون بـ (**استدلال النصارى على ألوهية المسيح عرضًا ونقدًا**) يشير إلى منهج النصارى في الاستدلال على ألوهية المسيح مع ذكر بعض النصوص على ذلك، كما سيتضح في البحث.

وقد قسمت البحث إلى مقدمة وثلاثة مطالب:

المطلب الأول: منهج استدلال النصارى على ألوهية المسيح

المطلب الثاني: عرض بعض أدلة النصارى على ألوهية المسيح

المطلب الثالث: نقد أدلتهم

وخاتمة، فأقول وبالله التوفيق.

المطلب الأول: منهج استدلال النصارى على ألوهية المسيح

عند الحديث عن منهج النصارى في الاستدلال يتبادر الذهن إلى أن كتب الإنجيل هو المصدر الأساسي عندهم، وهو لا شك صحيح، ولكن الإشكالية تقع في منهجية هذه النسخ ونصوصها لأسباب عديدة، فمنها أن هناك فرق كبير

---

(١) سورة المائدة ٧٢

(٢) سورة النساء ١٥٧

(٣) انظر العلاقة بين اليهود والنصارى ١٦

بين نسخ نصوص الإنجيل، فروق متضادة لا يمكن الجمع والتوفيق بينها، وكذلك لا يمكن الاعتماد على هذا النسخ لأنها لم تدون في زمن عيسى عليه السلام، وكذلك نشأة الفرق النصرانية بمختلف العقائد، فبعض الفرق تعتقد بألوهية الله سبحانه وتعالى وأن المسيح هو ابنه، وبعضها تقول بألوهية المسيح وذلك بعد قرار مجمع نيقية، وأضافت بعض نصوص الإنجيل بربوبيته أيضًا، كما جاء في إنجيل يوحنا الإصحاح الأول، العدد ٣و ١: (كل شيء به كان وبغيره لم يكن شيء مما كان في العالم، وكوّن العالم به ولم يعرفه العالم.)[١]

وبعض فرق النصارى كانوا منصفين للمسيح في بيان منزلته فقالوا بنبوته ورفضوا ألوهيته، والحقيقة أن "بولس وأتباعه والملوك والأساقفة ومجامعهم جعلوه إلهًا وابن الإله"، لأسس اعتمدوا عليها في عملية صنع العقائد وهي فكرهم الحر، والحب المتطرف للمسيح وإرضاء الإمبراطور والفلسفة اليونانية، بل طور مجمع نيقوسيا وقرر أن المسيح كان متحدًا مع الآلهة، وأصدر هذا القرار بناء على الحب البالغ والرغبات الملكية، وعلى عبارات الإنجيل التي أقحمت بتأثير الفكر البولسي، مع أن نصوص العهد القديم ترفض هذه العقيدة تماماً، كما تقول دائرة المعارف الكاثوليكية معترفة بهذه الحقيقة:

(لم تعلم عقيدة الثالوث المقدس في العهد القديم.)[٢]

فاتضح من هذا أن منهج الاستدلال عند النصارى وخصوصًا في باب تأليه المسيح عليه السلام منهج مضطرب متناقض، قائم على الهوى والاطراء وإرضاء الإمبراطور وتكميل رغباتهم، مع أن نصوص العهد القديم نقيض ذلك.

المطلب الثاني: عرض بعض أدلة النصارى على ألوهية المسيح

هناك نصوص كثيرة في نسخ الإنجيل تدل على ألوهية المسيح، "فالسيد المسيح عيسى عند النصارى هو: الإله المولود من الروح الإلهية، حل، ثم تجسد وصلب كفارة للخطيئة عن العالم البشري، ثم قبر اتعاظًا للخليقة، ومن ثم قام للإعلام عن يوم الدينونة والحساب والمحاسبة"، فقد ورد في العهد الجديد الرب يسوع المسيح خمسين مرة.[٣]

أيضًا: (ربنا يسوع هو إله يمكنه الاتحاد بالحقيقة بشخص بشري).[٤]

ومنها قول يسوع: (إن الله أبوه، فساوى نفسه بالله)،

(المسيح هو الخالق، والخالق هو الله، إذن فالمسيح هو الله).

و (الله هو الكائن والمسيح هو الكائن، إذن فهو الله)[٥]

وكذلك تستند النصرانية إلى النص الوارد في رسالة بولس إلى أفسس ص٣ عدد ٩، قوله: (في الله

---

(١) العقائد الوثنية في الديانة النصرانية ١٧٥

(٢) انظر: المسيحية دراسة وتحليل ٩٥-٩٨

(٣) قاموس الكتاب المقدس ١٠٦٦، نقلًا عن: المسيح عند اليهود والنصارى والمسلمين ١٥٠

(٤) المرشد إلى الكتاب المقدس ١٩٥/٣ نقلًا عن المرجع السابق

(٥) المسيح عند اليهود والنصارى والمسلمين ١٠٧

خالق الجميع بيسوع المسيح).[١]

وورد في رسالة كولوسي الفصل ٢، الآية ٩: (إذ في المسيح يحل كل ملء اللاهوت جسديًا).[٢]

إلى غير ذلك من النصوص المقدسة الواردة في هذا الاعتقاد.

المطلب الثالث: نقد أدلتهم

الحقيقة أن جميع نصوص الإنجيل وخصوصًا العهد الجديد، أو الترجمة البولسية محرفة ومكذوبة، ويمكن نقدها وردها من عدة أوجه؛ كصحة نسبة هذه النصوص، ومدى صحة نسبة هذه الكتب المقدسة إلى المسيح عليه السلام، أيضًا بسبب الاضطراب والتناقض، وكذلك يمكن الرد عليهم من كتبهم المقدسة للعهد القديم أو النسخ الأخرى، فهناك نصوص مقدسة تدل على نبوة عيسى عليه السلام، ونصوص تنفي الألوهية وتؤكد وحدانية الله، بل نصوص يعترف فيه المسيح بأن له إله، ونصوص أخرى توضح عبادة المسيح لله سبحانه، وتعظيم الله سبحانه وتقرير ربوبيته وعلمه وخلقه، إضافةً إلى ذلك نصوص الكتاب والسنة حافلة بمثل ما يثبت ضلالة النصارى في تأليه المسيح عليه السلام، وبراهين عقلية أيضًا.

وسأحاول أن أذكر بعض هذه النصوص الدالة على نقد ونقض فكرة ألوهية المسيح باختصار، دون التطرق إلى التشريح والتفسير أو التفصيل فيه.

- فمن القرآن، قوله سبحانه: ﴿**لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ**﴾[٣]، وقوله سبحانه: ﴿**لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ**﴾[٤]، وقوله: ﴿**وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ**﴾[٥] وغير ذلك...

- ومن السنة: حديث الإسراء والمعراج، وفيه (...فَلَمَّا خَلَصْتُ إذَا يَحْيَى وعِيسَى، وهُما ابْنَا الخَالَةِ، قالَ: هذا يَحْيَى وعِيسَى فَسَلِّمْ عليهمَا، فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا، ثُمَّ قَالَا: مَرْحَبًا بالأخِ الصَّالِحِ، والنبيِّ الصَّالِحِ..)[٦]، أيضًا ورد في الحديث الآخر (والَّذي نفسي بيدِه ليوشِكنَّ أن ينزلَ فيكم ابنُ مريَمَ حَكمًا عدلًا فيَكسرُ الصَّليبَ ويقتلُ الخنزيرَ ويضعُ الجِزْيةَ، ثمَّ يقولُ أبو هريرةَ اقرؤوا إن شِئتُم **وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ**)[٧].

- ومن الكتب المقدسة:[٨]

---

(١) النصرانية في الميزان ٣٢٦

(٢) موقع البشارة، البحث في الكتاب المقدس، الترجمة البولسية albishara.net/search/bible_word/?nav_show=1

(٣) سورة المائدة ٧٢

(٤) سورة المائدة ٧٣

(٥) سورة المائدة ١١٦

(٦) صحيح البخاري ٣٨٨٧

(٧) متفق عليه

(٨) انظر: موقع ابن مريم

- ما يدل على نفي ألوهية المسيح وتوكيد وحدانية الله، متى ٢٣:٩ (ولا تدعوا لكم أباً على الأرض، لأن أباكم واحد الذي في السماوات). وكذلك ما ورد في سفر التثنية[1] ٦:٤ (اسمع يا إسرائيل الرب إلهنا إله واحد).
- ما يدل على أن المسيح له إله، متى ١:١٦ (لا أزال شاكرًا لأجلكم ذاكرًا إياكم في صلواتي)
- ما يدل على عبادة المسيح لله سبحانه، لوقا ٦:١٢ (وفي تلك الأيام خرج إلى الجبل ليصلي وقضى الليل كله في الصلاة لله).

وما يستدل به النصارى على ألوهية المسيح بظهور الآيات على يده من إحياء الموتى وإبراء الأبرص وغير ذلك فهو بإذن الله سبحانه، وقد شاركه فيها غيره من الأنبياء كإلياس عليه السلام وغيره.[2]

وهناك نصوص تثبت أن معجزات المسيح بقوة الله، كما في يوحنا ١١:٤١ (فرفعوا الحجر حيث كان الميت موضوعًا ورفع يسوع عينيه إلى فوق وقال أيها الأب أشكرك لأنك سمعت لي المسيح أحيا الميت بإذن الله ولم يحيي الميت من نفسه)، فاتضح من هذا أن الفاعل لهذه الأمور هو الله سبحانه وتعالى وليس المسيح عليه السلام، وكذلك يتضح من هذا النص الأخير عبودية المسيح لله سبحانه ونفي القدرة عن نفسه، وإقرار الربوبية لله.

www.ebnmaryam.com/vb/t161575.html

(١) دراسات في اليهودية والنصرانية ٢٠٢

(٢) انظر: التثليث ومنهج ابن تيمية في إبطاله من كتاب الجواب الصحيح ٤٨

وهناك الكثير من النصوص التي تنقد نصوص العهد الجديد ومسألة ألوهية المسيح عليه السلام...والله أعلم.

ويمكن أن نستخلص ذلك في أسطر فنقول:

- أن منهج النصارى في الاستدلال هو الكتب المقدسة، وهذه الكتب تختلف تماما عن الآخر، مثل العهد القديم والعهد الجديد.
- أن القول بألوهية المسيح لم يكن سابقا قبل مجمع نيقية، وإنما صدر بعد هذا المؤتمر لعدة أسباب.
- توجد أدلة كثيرة في القرآن الكريم والأحاديث النبوية على نقض فكرة الألوهية للمسيح وكذلك في كتب النصارى أيضًا.
- من الأسباب التي أدت إلى القول بألوهية المسيح آراء بولس، والتزلف للامبراطور، والمبالغة في حب المسيح، وإتباع الهوى، وتحريف الديانة النصرانية وغير ذلك.
- عيسى عليه السلام بريء مما وصفه النصارى لما تدل عليه الأدلة الشرعية والعقلية والإنجيلية.
- أن عيسى عليه السلام نبي، بشر، وأنه ابن مريم، يعبد الله تعالى ولا يدعو إلى عبادة نفسه.
- ما يذكره النصارى من الأدلة على ألوهية المسيح يمكن ردها من عدة أوجه، وبأساليب متنوعة، وليس في الرد من الغموض والتحيير مثل إثبات ألوهيته...

نسأل الله السلامة ونطلب منه التوفيق والعون والسداد

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله

وصحبه وسلم.

المراجع والمصادر

الكتب:

١- الأجوبة الفاخرة على الأسئلة الفاجرة، القرافي، تحقيق د. بكر زكي عوض، ط٢، ١٤٠٧هـ

٢- الأناجيل الأربعة ورسائل بولس ويوحنا تنفي ألوهية المسيح كما ينفيها القرآن، بحث ماجستير من جامعة البنجاب (لاهور)، للباحث: سعد رستم، ١٤١٧هـ- ١٩٩٧م

٣- الإسلام والأديان دراسة مقارنة، د. مصطفى حلمي، دار الكتب العلمية، بيروت- لبنان، ط١، ٢٠٠٤م – ١٤٢٤هـ

٤- التثليث ومنهج ابن تيمية في إبطاله من خلال كتابه الجواب الصحيح، د. سارة بنت فراج بن علي العقلا، بحث منشور في مجلة جامعة أم القرى لعلوم الشريعة واللغة العربية وآدابها، ج١٥، ع١٥، شوال ١٤٢٣هـ

٥- العقائد الوثنية في الديانة النصرانية، محمد بن طاهر البيروتي، دار الصحو للنشر، القاهرة

٦- كيف تطورت العلاقة بين اليهود والنصارى من عداوة إلى صداقة، سليمان بن صالح الخراشي، روافد للطباعة والنشر والتوزيع، لبنان، ط١، ١٤٣٠هـ- ٢٠٠٩م.

٧- المسيح عند اليهود والنصارى والمسلمين وحقيقة الثالوث، د. عبد المنعم جبري، صفحات للدراسات والنشر.

٨- المسيحية (النصرانية) دراسة وتحليل، ساجد مير، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض

٩- النصرانية في الميزان، محمد عزت الطنهطاوي، دار القلم، دمشق

١٠- النصرانية في ميزان العقل والإسلام، محمد سليم القاضي، دار الكتاب

١١- النصرانية والإسلام، محمد عزت الطنهطاوي، مكتبة النور

١٢- دراسات في الأديان اليهودية والنصرانية، د. سعود الخلف، أضواء السلف، الرياض، ط١، ١٤١٨هـ، ١٩٩٧م.

المواقع الإلكترونية:

- موقع بشارة المسيح
  https://ar.islamf rchristians.c m/
- موقع البشارة
  http://albishara.net/?nav_sh w=1
- موقع ابن مريم
  http://www.ebnmaryam.c m/vb/t161575.html

يولى عليكم كما تكونون

محمد عمر صلاح الدين

الطالب بمعهد اللغويات العربية، جامعة الملك سعود

لو سئل أحد ما عن البقعة الأرضية التي تحمل في طيّها العديد من الديانات والثقاقات واللغات والحضارت والفرق والمذاهب في هذا الكون الهائل كله لأجاب بدون تلعثم وتردد بقوله: "**الهند**"

نعم هذه هي البلدة الرحيبة المتدة الحافلة في كيانها الواسع تاريخا إسلاميا مجيدا من لدن ورود الصحابة وقدومهم إليها سنة ١٥هـ في عهد أمير المؤمنين عمر بن الخطاب إلى أن حكمها المسلمون طيلة ثمانية قرون حتى بلغ بهم الأمر أن أضحوا اليوم في سائر المجالات السياسية والتعليمية وما إلى ذلك، ذرة تائهة لا قيمة ولا سمعة لها ولاصوت ولاشأن لها مدى العصور المتأخرة خاصة في العقد الأخير لِما تحولت السلطة الهندية إلى رجال ماكرين لايؤمنون بالدستور الهندي إلا مراء وخداعا، إذ أن الحكومة الحالية النحسة المشؤومة منذ سيطرتها بقياده- رئيس وزراءها نريندرا مودي- على السلطة الهندية عام ٢٠١٤م إلى اليوم خلال السنوات الثماني الغابرة، تحاول بين فينة وأخرى إيهاط المسلمين وإضعافهم وخذلانهم بقدر ما في وسعها على صعد مختلفة ومستويات شتى كموافقتها على مشروع قانون تعديل المواطنة وعدم استردادها رغم معارضات شديدة واحتجاجات عارمة ومظاهرات عنيفة منددة رفضا لذلك القانون الأسود في مختلف أنحاء البلد، وتعريض المسلمين للهجومية الغوغائية والحملات العنيفة وممارسة العنف المنظم والاعتداء عليهم في حشد قاتل تارة، وبفرض الحظر على ارتداء الحجاب في مدارس بعض الولايات والحجز على التأذين للصلاة في المجاهر ومكبرات الصوت أحياناً، وصبغ المنهج الدراسي باللون الزعفراني في الجامعات وغير ذلك مما يضيق به الحصر، كما تلعب على نشر الإسلاموفوبيا وتعزيز المشاعر المعادية للمسلمين وترسيخ الانطباعات المتنافرة في أذهان الهندوس ضد المسلمين إضافة إلى ما تحظى العناصر العدوانية الظالمة والمنظمات الهندسية الإرهابية بتأئيد الحكومة وحمايتها من وراء الستار، فهي تبدو مع تقادم الزمن كأكبر رمز للتعصب الهندوسي البغيض النحس الخبيث الطوية ضد المسلمين، حيث لا ترقب فيهم إلّا ولا ذمة، كأنها على أتم استعداد لإيذاء المسلمين بقوانينها السوداء الظالمة ونشاطاتها الإجرامية التي لم تشهد الهند مثلها في تاريخها.

ومن المؤسف جداً أنها جعلت تتقوى قوائمها في أغلب أقاليم البلد، وتحف أجنحتها في كافة أرجاءه وتزداد قوة إلى قوة، كما توطدت أكثر فأكثر بعد فوزها ثم تشكيلها للحكومة المستقلة في الولايات الأربع (أترابرديش، أتراخند، غوا، مينيفور) إبان الانتخابات التي تمت في الأقاليم الخمسة كبنجاب وغيرها مما مر ذكرها.

بينما يزيد الطين بلة أن القادة المسلمين يتحينون فرصا سانحة لأن يتفوهوا بكليمات توافق أهواء الأعضاء الحاكمة في البلاد فضلا عن أن يقدموا مشاكلهم التي تعانيها الأمة الإسلامية الهندية ويصرحوا بصعوباتهم التي يواجهها المسلمون ويطالبوا حقوقهم المدنية العلمانية بصراحة.

هذا، وفي ضوء ماسبق من بيان الأحوال الراهنة في الهند وما يجري للمسلمين في العالم كله أنه لا مناص من أن ندرك الحقيقة المريرة أن الظروف القاسية والأوضاع المؤلمة اللاحقة بالمسلمين إنما هي:

•بالأسباب الكونية القدرية –أولا– التي تتمثل في سنة الله الجارية في عباده المؤمنين أن يبتلي عباده ببعض العقوبات والابتلاءات لعلهم يرجعون ويراجعون أنفسهم، ويكفر الله عنهم بهذه العقوبات سيئاتهم كما يمحص عباده المؤمنين ويميز الخبيث من الطيب، كما قال الله تعالى:

﴿وليمحص الله الذين ءامنوا ويمحق الكفرين﴾[١]

وقال أيضاً:

﴿ماكان الله ليذر المؤمنين على ما أنتم عليه حتى يميز الخبيث من الطيب﴾[٢]

إن المتأمل في منهج الأنبياء –عليهم الصلاة والسلام– وبخاصة في سيرة الرسول ﷺ وأتباعه المؤمنين ليرى هذه السنة الربانية واضحة وضوح الشمس في رابعة النهار.

•وبما كسبت أيدينا، وما قدمت أنفسنا وما جرّته أعمالنا السيئة كما يقول الله سبحانه:

﴿ظهر الفساد فى البر والبحر بما كسبت أيدى الناس ليذيقهم بعض الذى عملوا لعلهم يرجعون﴾ [٣]

فلا شك أن تسليط الحكام الظلمة وتولية السلاطين الجورة علينا المسلمين مما جرّته أعمالنا السيئة

(١) آل عمران:٣/١٤٣

(٢) آل عمران:٣/١٧٩

(٣) الروم ٣٠/ ٤١

ومما جلبته ذنوبنا ومعاصينا لما يروى عن بعض الصحابة كأبي بكر وعلي بن أبي طالب وأبي بكرة –رضي الله عنهم– ما نصه: "يولى عليكم كما تكونون"[٤]

هذا الأثر مع ضعفه الشديد وعدم ثبوته، يؤيده قول ربنا سبحانه:

"وكذلك نولى بعض الظالمين بعضا بما كانوا يكسبون"[٥]

وما أجمل ما قاله حكيم هذه الأمة الإسلامية، العلامة ابن القيم الجوزية–رحمه الله– في هذا الباب:

"وتأمل حكمته تعالى في أن جعل ملوك العباد وأمراءهم وولاتهم من جنس أعمالهم، بل كأن أعمالهم ظهرت في صور ولاتهم وملوكهم...وليس في الحكمة الإلهية أن يولى على الأشرار الفجار إلا من يكون من جنسهم...فحكمة الله تأبى أن يولى علينا في هذه الأزمان مثل معاوية وعمر بن عبد العزيز، فضلا عن مثل أبي بكر وعمر، بل ولاتنا على قدرنا وولاة من قبلنا على قدرهم...إلخ"[٦]

ألم يأن للمسلمين أن يتفكروا في أنفسهم وما هم فيه من الفساد الديني والانحراف الاعتقادي والاعوجاج الفكري والانحلال الخلقي فردا وجماعيا ويعتبروا بما تحل عليهم من الأزمات المتتالية والنكبات المتلاحقة؟

ألم يَحِنْ لهم أن يستبصروا في أن أمم الكفر تهجم عليهم من النواحي جمعيها؟

أليست قد غشيتنا الرهبة والخوف والرعب

(٤) ضعيف الجامع للشيخ الألباني برقم(٤٢٧٥) وسلسلة الأحاديث الضعيفة له برقم(٣٢٠)

(٥) الأنعام ٦/١٢٩

(٦) مفتاح دار السعادة لابن القيم الجوزية ٢/٧٢١–٧٢٢بتحقيق الشيخ عبد الرحمن بن حسن بن قائد

بفعلاتنا السوداء وأصبحنا من أبناء الدنيا لا من أصحاب الآخرة فتحقق لنا ما قد كان تنبأ به الرسول الكريم–صلوات ربي وسلامه عليه– فيما روي عن ثوبان قال: قال رسول اللهﷺ :يوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها ". فقال قائل: ومن قلة نحن يومئذ؟ قال: بل أنتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، فقال قائل : يا رسول الله، وما الوهن؟ قال: "حب الدنيا وكراهية الموت."[١]

ألم يقترب الوقت أن يتدبروا فيما يعانون من الإجحاف والظلم والجور والاستبداد من قِبَل الحكام الظلمة؟

كل ذلك بين عنه الرسول الكريم ﷺ فيما رواه عبد الله بن عمر –رضي الله عنه– قال أقبل علينا رسول الله ﷺ فقال: يا معشر المهاجرين، خمس إذا ابتليتم بهن، وأعوذ بالله أن تدركوهن...ولم ينقصوا المكيال والميزان إلا أخذوا بالسنين وشدة المئونة وجور السلطان عليهم...ولم ينقضوا عهد الله وعهد رسوله إلا سلط الله عليهم عدوا من غيرهم. [٢]

ألم يتأملوا أن بني إسرائيل قبلهم قد ضرب الله عليهم الذلة والصغار والمهانة بعد أن فضلهم على العالمين بقوله أربع مرات في القرآن[٣] حيث يقول سبحانه:

﴿وضربت عليهم ٱلذلة وٱلمسكنة وباءوا بغضب من ٱلله ذلك بأنهم كانوا يكفرون بآيات الله ويقتلون النبيين بغير الحق ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون﴾ [٤]

وهذا نبينا ﷺ يكشف لنا عن أسباب الذل والهوان فيقول:

"إذا تبايعتم بالعينة ، وأخذتم أذناب البقر، ورضيتم بالزرع، وتركتم الجهاد ؛ سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم"[٥]

فعلى المسلمين أن ينتبهوا وينبذوا رداء الغفلة والسهوة وراء ظهورهم وأن يأخذوا الأمور بعين الاعتبار وأن يعلموا أن الخير كل الخير والفوز والفلاح في تمسكهم بكتاب ربهم وسنة نبيهمﷺ وأن يعرفوا أن الاستخلاف في الأرض والتمكين الديني والأمن والرخاء نعمة عظمى وعد الله أن يعطيها لمن آمن وعمل الصالحات غير مشرك به!

كما يقول ربنا جل وعلا:

﴿وعد ٱلله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم فى الأرض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضىٰ لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم أمنا يعبدوننى لا يشركون بى شيئا ومن كفر بعد ذلك فأولٰئك هم الفاسقون﴾[٦]

وقال جل وعلا:

﴿ولقد كتبنا فى الزبور من بعد الذكر أن الأرض يرثها عبادى الصالحون﴾[٧]

فكم من المسلمين يشركون بالله بعد أن قالوا لا

---

(١) سنن أبي داود، أول كتاب الملاحم، باب تداعي الأمم على الإسلام برقم:٤٢٩٧ وصححه الشيخ الألباني

(٢) سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب العقوبات برقم (٤٠١٩) حسنه الشيخ الألباني

(٣) انظر آيتَيْ البقرة: ٢/٤٧ ١٢٢ والأعراف: ٧/١٤٠ والجاثية:٤٥/١٦

(٤) البقرة ٢/٦١

(٥) سنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في النهي عن العينة برقم:٣٤٦٢، صححه الألباني

(٦) النور: ٢٤/٥٥

(٧) الأنبياء: ٢١/١٠٥

إله إلا الله؟

وكم من الضرائح والمزارت والمقابر يأتيها المسلمون ليلطخوا جباههم ويدنسوا وجوههم بدعاء أصحابها الموتىٰ واستغاثتهم والاستنجاد منهم؟

بالتالي هم فقدوا الإيمان والهداية والأمن والحفاظ على أنفسهم بخلط أعمالهم بالشرك لقوله تعالى:

﴿ٱلذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم أولٰئك لهم ٱلأمن وهم مهتدون﴾[١]

فليكن في حسبان المسلمين أن الله قادر على تكييف أوضاعهم القارسة بما يفرحهم ويناسبهم إذا ما أدوا حقه عليهم وأخلصوا أعمالهم له وامتثلوا بأوامره واجتنبوا زواجره، لكثير من الأدلة الشرعية التي لايتسع المقام لذكرها.

فلا يزعجنهم ظواهر الأحوال ولا يقلقنهم كواشف الأمور فإن الحقائق قد تخفى عن العلن لحكمة أشار إليها سبحانه:

﴿وعسىٰ أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسىٰ أن تحبوا شيئا وهو شر لكم وٱلله يعلم وأنتم لا تعلمون﴾[٢]

أسأل الله تعالى أن يحفظ المسلمين ولا يُشمت بهم الأعداء الكافرين!

آمين يا رب العالمين.

---

(١) الأنعام: ٨٢/٦

(٢) البقرة:٢١٦/٢

"إن الالتزام الكامل الدقيق الواعي بكل ما ورد في كتاب الله تعالى وثبت عن الرسول الكريم صلى الله عليه وسلم هو الحل الوحيد لكل مشكلة تواجه المسلمين، ومفتاح لكل خير وسعادة. إن المسلمين ضعف إيمانهم بالإسلام وتمسكهم بمبادئه وأحكامه، ومن هنا تعرضوا لأنواع من المصائب والمحن، وتكالب عليهم الأعداء وطمع فيهم الأشرار....

إن القرآن الكريم وعد المسلمين علوا وعزة بشرط الإيمان: **(ولا تهنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين)**وكذلك نفى عن الإنسان الخسران بشرط الإيمان والعمل الصالح: **(والعصر إن الإنسان لفي خسر، إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات)**

إن أصحاب النظرة المادية يرون أن أسباب تخلف المسلمين وضعفهم تكمن في الأمور الاقتصادية والتعليمية وما إلى ذلك، ونحن لا ننكر هذا، ولكن السبب الحقيقي الأول للضعف الذي مني به المسلمون في العصر الراهن هو ابتعادهم عن الإسلام الصحيح، أما غيره من الأسباب فإنها ناشئة عنه."

((الدكتور مقتدى حسن الأزهري رحمه الله))

حاجة الدعاة إلى إزالة الشبهات

طارق أسعد بن أسعد أعظمي

الطالب بكلية اللغة العربية، الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة

لما قدم طفيل بن عمرو الدوسي إلى مكة همست قريش في أذنيه أن هناك رجلا "قد فرق جماعتنا، وشتت أمرنا، وكلامه سحر يفرق بين الرجل وزوجته وأهله، فلا تكلمه ولا تسمعن منه شيئا" فلبى طفيل دعوتهم وحشا أذنيه كرسفا فرقاً من أن يبلغه من قوله عليه السلام، يقول طفيل في نفسه "إني رجل لبيب شاعر، ما يخفى علي الحسن من القبيح، فما يمنعني أن أسمع من هذا الرجل ما يقول..ثم اتبعت النبي صلى الله عليه وسلم وذكرت له ما تقوله قريش عنه، فتلا علي القرآن، فوالله ما سمعت قولا قط أحسن ولا أمرا أعدل منه،فأسلمت وشهدت شهادة الحق."(١)

هذه حيلة الماكرين ودهاء المتألبين قديما وحديثا أن تثار الشكوك في وجه الدعوة إلى الله وتختلق الأكاذيب، ويقال عنه ما ليس منه لأن أهل الباطل على علم أنها هي أحدَ السيوف و أذلق السنان التي بإمكانها أن تمنع قدم المقبل وتلقي على بصره غشاوة وتحجب بينه وبين قبول الحق. لكن لما تجلى الغمام و حصحص الحق أكبوا على الإسلام واعتنقوا به. تأملوا في أن أهل مكة لقبوا النبي صلى الله عليه وسلم بـ "الصادق والأمين" ومنحوه شهادتي "الصدق والأمانة" لكنه لما دعاهم إلى الحق وقدم إليهم الدعوة الربانية فإذا المعايير انقلبت والأوضاع تغيرت و الأحوال تبدلت، اسمعوا ماذا قالوا عنه**{وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ}** [سورة ص:٤].

﴿وقال الذين كفروا إن هذا إلا إفك افتراه وأعانه عليه قوم آخرون فقد جاءوا ظلما وزورا﴾ [سورة الفرقان:٤].

"وعندما ظهر الإسلام منذ أكثر من أربعة عشر قرنا من الزمان لم يتوقف سيل الشبهات التى يثيرها المشككون من خصوم هذا الدين تشكيكا فى مصادره أو فى نبيه أو فى مبادئه وتعاليمه. ولا تزال الشبهات القديمة تظهر حتى اليوم فى أثواب جديدة يحاول مروجوها أن يضيفوا عليها طابعا علميا زائفا"(٢)

فكم أشاعوا الشائعات، وكم اختلقوا فرى، وكم شوهوا الحقائق، وكم حرفوا الكلم عن مواضعه، فمرة قالوا إن الإسلام انتشر بالسيف والسلاح وهو دين إرهابي يشجع الناس على سفك الدماء، وتارة يثيرون الشبهات حول مكانة المرأة في الإسلام وحقوقها وحريتها وتعليمها و لباسها وحجابها، وأحيانا يتكلمون في النبي صلى الله عليه وسلم وفي حياته وأزواجه، وغزواته وسراياه، وطوراً يتحدثون عن نظام العقوبات والقصاص والجنايات وما إلى ذلك من الدعايات والشائعات التي تمر بنا ونشاهدها في واقعنا المعيش.

أرجو جلاء الحق أبلج بينما
هم يلبسون الحق ثوب باطل

(١) أخرجه أبو نُعيم في الدلائل (ص ٨)

(٢)شبهات المشككين الدكتور/ محمود حمدى زقزوق،ص:٤

ثم إن الإعلام بجميع أنواعه وشتى صوره قد أذكى هذه الشعلة وزودها بالوقود وتغذى الفتنة وأتى بالأكاذيب والافتراءات التي لا تزال تمتلئ قلوب الناس بالحقد والضغن والبغض والسخط لما ينشر يوميا عشرات الأكاذيب ومئات الأباطيل عبر مختلف الطرق وشتى الأساليب مثل القنوات، وشبكات الإنترنت، والتلفاز، والمسرح والسينما، والصحف والمجلات، والصور الكاريكاتيرية وغيرها ويتلاعب بها العقول ويحول وجهات النظر. ثم إن اعتياد الناس على الإعلام بجميع صوره يساهم في إنجاز أهدافهم و تحقيق أمانيهم، فهم لا يسمعون إلا ما يقدمهم الإعلام، ولا يرون إلا ما تريهم القنوات، ثم لم يلبثوا أن يصدقوا بكل ما يسمعون ويؤمنوا بما يرون بدون الوصول إلى أعماق المسائل وبغض النظر عن الحقائق.

لا شك أن هذا أمر خطير لم يزل يعوق في سبيل الدعوة إلى الله وتقريب الناس من الإسلام ولا يزال يتحدى أمام الاستراتيجيات الدعوية و"إن العالم اليوم يموج من حولنا بتيارات وعقائد متباينة كل يبغي السيطرة والسيادة عبر الكلمة المكتوبة والمسموعة. وأدركت الأمم الكافرة أهمية وسائل الإعلام فسخرتها لنشر سمومها وأباطيلها، إيمانا منها بالدور الفعال الذي تلعبه وسائل الإعلام في نشر الأفكار وتغيير العقائد. ويزداد ذلك يوما بعد يوم – في الداخل والخارج – أمام تيار الدعوة الإسلامية"(١)

فمن هنا تمس الحاجة الملحة إلى أن يقف الداعي أمام هذا التيار بكل وعي حاد و حذر تام ويبذل قصارى جهده في إزالة الشبهات وكشف اللثام عن الحقائق وتقديم الصور الصحيحة وإبلاغ الدين الصحيح وتعاليمه النيرة "والداعي إزاء هذه الشبهات مضطر إلى تنفيذها وإظهار زيفها وبطلانها؛ لأنها موانع تمنع من رؤية الحق في حق ضعاف البصر والبصيرة، كما تمنع الإحساس بالداء، والحاجة إلى الدواء، وتكون الإزالة بالحجة والبرهان، ولكن بصراحة ووضح وحسن بيان، مع أدبٍ بالقول ورفقٍ في الخطاب، دون أن تستفز الداعي أكاذيب المفترين، فيحمله ذلك على الانتصار لنفسه والغضب لها، والنطق بما لا يجوز. نحن نعلم أنَّ هذا شيء ثقيل على نفس الداعي، ولكنه لا بُدَّ منه، ولا سبيل غيره، ويهون إن شاء الله بكمال التجرُّد إلى الله، واحتساب ما يلقاه من أذى عند الله."(٢)

OOOOOOOOOOO

"وأعلم أن كثيرا من الكبائر، بل عامتها إلا الأقل، يجهل خلق كثير من الأمة تحريمه، وما بلغه الزجر فيه ولا الوعيد، فهذا الضرب فيهم التفصيل، فينبغي للعالم أن لا يستعجل على الجاهل بل يرفق به ويعلمه مما علمه الله، ولا سيما إذا كان قريب العهد بجاهلية قد نشأ في بلاد الكفر البعيدة..."

((الكبائر للذهبي))

(١) الإعلام والدعوة الإسلامية للدكتور طه عبد الفتاح(ص٨٧)

(٢) أصول الدعوة لعبد الكريم زيدان ص:٤٢٨

تلوث البيئة : مخاطر وحلول

محمد عاصم أفضال أحمد

الطالب بكلية اللغة العربية وآدابها، جامعة أم القرى، مكة المكرمة

الكون من أجمل خلق الله تعالى، زينه بأنواع المظاهر الحسنة والمحاسن اللطيفة. من جانب تطلع الشمس والقمر في سمائه المزين بالكواكب، ويظهر كثير من الأجرام الفلكية في الآفاق؛ وتتحلى الدنيا بشتى الأنوار الساطعة، كذلك هو يشمل الجبال الشامخة، والغابات المدهشة، والبحار الواسعة، والأنهار الجميلة، والأشجار المثمرة من جانب آخر. وتوجد فيه أيضا حيوانات كثيرة تختلف ألوانها وأقسامها، وكذلك خلق الله تعالى الإنسان في أحسن تقويم، وسخر له ما بين السماء والأرض ومنحه حسن التمييز وطلاقة اللسان.

الكون كل شيء فيه بمقدار؛ من أبداعه التوازن بين الأشياء من الجمادات، والنباتات، والحيوانات. لايروح شيء من مكانه إلا بالقوانين الطبيعية؛ تختلف المواسم على أساس التعادل، وتتنوع الدنيا كلها على بنية الاعتدال، فتتكون بيئة ذات جمال وبهاء في الكون يتمتع الإنسان بها، وكذلك تتجمل البيئة بوجوده فيها، ولكن ظهرت معالم مخيفة بأسرها توعد البيئة مخاطر مهلكة. نبحث الأسباب لهذه المخاطر ثم نبين الحلول لها في السطور القادمة.

كل ما يحيط بالكائنات الحية فهو عبارة عن البيئة كالإنسان والحيوان والنباتات، وكذلك كل ما يجول ويدور حول المجتمع الإنساني يعتبر بيئة؛ فالأحوال الطبيعية التي تؤثر على الإنسان والحيوان لها أثر كبير في بناء البيئة الملائمة، البيئة توافق الطبيعة، فإذا تغيرت الطبيعة تغيرت البيئة، هناك يمكن أن يطرأ السؤال في ذهن القارئ كيف تتغير الطبيعة، وهل هناك أثر خارج على تغير الطبيعة أم لا، فإن أمكن فكيف تؤثر الآثار الطبيعية الخارجة على البيئة وماذا تنتج النتائج على إثرها في دنيانا المزدهرة المرموقة البهيجة.

الإنسان مخلوق منح الكثير من العجائب بينما الخلائق الأخرى لم تمنح، منها التسخير فيما بين السماء والأرض تسخيرا قويا؛ فهو يبحث عن السهولة في الحياة، ويفكر كثيرا في رغد من العيش وحل المشاكل وتسهيلها حتى يغلبها. لما جاء دور الازدهار على العالم الغربي تغير العالم كله من حيث التطور والتقدم، قام الإنسان بتغيير الحياة الطبيعية إلى العيش الرغيد، ولعب دورا مهما لعرض العالم في صورة معجبة حتى صار العالم كله قرية عالمية، قصرت المسافة وتقارب الناس ولكن الفطرة الطبيعية الساذجة فسدت على أيدي محبي الدمار والخراب الذين لهم وجه ظاهره حلو وباطنه مرير، خاصة بعد الحرب العالمية الثانية جاءت ثورات صناعية وتطورات تكنولوجية تسببت أضرارا كبيرة على صحة الإنسان والحيوان والنبات. أتلف الإنسان كثيرا من المخلوقات الكونية لتكميل أهوائه مثل الهواء النقي، والفضاء الهادئ، والماء العذب، والتراب الخالص، والغابات المكثفة، والبحار العريضة، وغيرها.

تلوث البيئة ليس معناه أن يتسخ المجتمع قذرا، بل له مفهوم وسيع، كل شيء يؤثر على حياة طبيعية

سلبيا فهو يشمل معنى التلوث. وجميع الكائنات الحية لها علاقة أساسية بالهواء، تحتاج إليه للبقاء على قيد الحياة، ولكن الهواء يتلوث يوما فيوما بسبب خروج ثاني أكسيد كربون من المصانع والسيارات ومكيفات الهواء، ومن أسباب تلوث الهواء التدخين والغبار الناتج من العواصف الهوائية، وإحباط المباني، وإنفجار البراكين، ووقوع الحروب، والقنبلات النووية، وحرائق الغابات، وإحراق النباتات الفاضلة، هذه كلها ترسل الدخان الفاسد إلى الغلاف الجوي الذي يتسبب المخاطر الصحية وينتج الأمراض المهلكة للإنسان والحيوان، وكذلك يساهم في تغيير المناخ كتساقط المطر بالصيف واحتباسه بالشتاء، و الجدير بالذكر هنا أن الاحتباس الحراري (Global Warming) خطر للغاية لهذا العالم، هو ارتفاع درجة الحرارة لكرة الأرض وانخفاض غاز الإكسجين الذي هو أساس عملية التنفس والاحتراق، فترتفع درجة الحرارة للأرض شيئا فشيئا من أجل أسباب تلوث الهواء وإن لم يمنع هذا فيصير العالم مهبط النار في المستقبل.

وكذلك من أخطر المهددات تلوث الماء، وهو تكدره بالأوساخ و الأزبال وانتهاء إصالته تدريجيا، ومعلوم لدى الجميع أن الماء أساس الحياة على الأرض حيث يغطي حوالي ٧١٪ من مساحة الكرة الأرضية، ولكن لا يجد كثير من الناس الماء الصافي للشرب في هذا العالم، بل يشرب عدد كبير من سكان العالم الماء غير الصالح، وإن لم يوجد صالحا رغم كثرته فهذا من مأساة العالم الكبرى، ومن أكبر أسباب تلوث الماء النفايات التي تلقى في الماء بلا سبب، والمخلفات التي توضع في الموارد و ساحل الأنهار عن عمد، وكذلك المواد الضارة الكيميائية التي تخرج من المصانع و تمتزج بماء البحار و الأنهار و الجداول فيتقذر، هكذا تفقد المياه حيويتها بدرجة تصل إلى انعدام الأكسجين الذائب بها. تتلوث المياه الجوفية أيضا التي تعد مصدرا مهما من مصادر مياه الشرب، قد تسرب المواد الملوثة والمعادن الثقيلة من المنتجات الكيميائية والمخلفات السائلة والمبيدات الحشرية إليها. ومن أخطر ملوثات الماء حاليا المواد المشعة ومخلفاتها الناتجة من مصانع الأسلحة النووية والأدوية الجديدة. كذلك يحدث الآن تلوث المياه بشكل كبير في البحار والمحيطات نتيجة حوادث ناقلات البترول وعمليات البحث عن البترول. شارفت هذه الأسباب كلها على نهاية جودة المياه، وعرّضت الناس للخطر والهلاك، فتتنوع الأمراض وتتفاوت المخاطر لدى الإنسان الذي لا يجد مخرجا إلى النجاة ولا سبيلا للخروج من المأزق.

إن الهواء والماء كليهما يعتبران من أهم العناصر الطبيعية، لعلاقتهما بالإنسان خاصة وبالكائنات الحية عامة. يتنفس الإنسان دائما ويأخذ الإكسجين من الهواء، وكذلك له دور مهم في نمو النباتات ونبتها، هذا غاز أساسي للحياة وله أهمية حيوية كبرى، لا غنى عنه، وكذلك الماء، له ارتباط مباشر بالإنسان، وعليه استناد كلي لحياته، لا نتصورها إلا به، فأوليتنا الأولى هي مسؤولية الحفاظ على هذه العناصر، وعلى كل فرد في هذا العالم أن يتحمل هذه المسؤولية شخصيا، فلا يضيع الماء، ولا يكدر صفوته ونقاءه، ولايشترك في أي عمل يضر غلافنا الجوي الصالح، وجدير بالانتباه أن هناك أقساما أخرى للتلوث، من دون تلوت الهواء وتلوث الماء ولكني ذكرتهما على الأولية، لأنهما أكبر تلوث ضررا وإفسادا، ومن أنواع التلوث تلوث التربة، والتلوث الصوتي، والتلوث البلاستيكي، والتلوث الإشعاعي، والتلوث النووي، والتلوث الحراري وغيرها.

حينما ننظر إلى حلول هذه المخاطر في التعليمات الإسلامية فيلوح لنا أن الإسلام دين شامل، وتعاليمه هي الحل الوحيد للتحديات الجديدة التي تطرأ علينا في كل عصر. وضع الإسلام القوانين العامة التي هي منارة لنا في الوقاية من التلوث البيئي، أولا يأمر الإسلام بالنظافة ويحسبها شطر الإيمان، ويعد المتطهرين من أحباء الله تعالى حيث قال: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ فالنظافة خطوة أولى لصيانة البيئة من التلوث، وجعل الزبالات قابلة لإعادة التدوير من أهم مسؤوليات العصر الراهن. وكذلك امتنع الإسلام عن الإسراف والتبذير واعتبرهما من عمل الشيطان، قال جل و علا : ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ بل أمر باتباع الاعتدال والوسطية، إذا بعد المرء عن الاعتدال أسرف في الأشياء، ثم قام بتلويثها، هذا من أبواب الظلم والعدوان، يقوم التلوث أيضا بانتهاك حرمة النفس والمال مع أن الله تعالى قال: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ وقال: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ولذا قام الإسلام بتجريم الإفساد والاعتداء عموما، وبالإضافة دعا إلى تعاليم غرس الأشجار، ومنع تلويث الموارد والممرات العامة، وأمر بإطفاء الأنوار وتغطية المياه ليلا ونظّم طريقة لدفن الميت لكي لا ينتشر التلوث كما ينتشر بعد إحراقه، وغيرها من العديد من الإرشادات والتعليمات لحفاظ البيئة، نحن في احتياج شديد لتنفيذ هذه التعاليم في حياتنا والله هو الموفق.

”ارتکاز“ کے لیے لکھیے!

سعودی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم **اخوان** سے التماس ہے کہ وہ ”ارتکاز“ کے لیے اپنے مضامین ارسال فرمائیں۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھیں:

(۱) یہ مجلہ سہ لسانی (اردو، عربی، انگریزی) ہے، لہٰذا ان تینوں زبانوں میں آپ مضمون لکھ اور بھیج سکتے ہیں۔

(۲) مضمون کی زبان خالص ہو، دیگر زبانوں کے الفاظ بلا سبب استعمال نہ کیے جائیں۔

(۳) پسند آنے پر مترجم مضامین بھی شائع کیے جاسکتے ہیں۔

(۴) دینی، ادبی و علمی ہر قسم کے مضامین اس مجلہ کی زینت بن سکتے ہیں۔

(۵) مضمون معیاری ہو، مضمون نگاری کے آداب کو برتا گیا ہو، حوالہ جات میں مراجع ومصادر کی توثیق کا مکمل اہتمام ہو۔

(۶) مضمون بالکل نیا ہو، اس سے قبل کہیں شائع نہ ہو چکا ہو۔

(۷) مضمون ٹائپ شدہ ہو تو بہتر ہے؛ ایم ایس ورڈ، ان پیج یا یونیکوڈ میں ہو۔

(۸) مضمون کے الفاظ کی تعداد ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) سے متجاوز نہ ہو۔

0966501045646
irtekazmonthly@gmail.com

MAY 2022

Online Monthly Magazine
By Indian Students at King Saud University, Riyadh (KSA)

”میں نے کسب رزق کے لئے قضاء، افتاء، امامت، تأذین یا وعظ وغیرہ کسی شرعی منصب کو اختیار نہیں کیا، بلکہ نوکری چاکری کو ذریعہ معاش بنایا، کارہائے سرشتہ میں نوکری اختیار کی، اور اس وسیلہ سے جاگیر پائی، کیونکہ میں اپنے آپ کو خدمات مذکورہ کے ادائے حقوق سے بالکل قاصر پاتا تھا، اور میرے دین نے بھی مجھے اجازت نہ دی کہ ایسا کام اختیار کروں جس میں دین کی خرابی اور آخرت کی بربادی ہو، ہمارے سلف جنہیں دین میں مرتبہ امامت حاصل تھا اور اعلیٰ درجہ کا تقویٰ رکھتے تھے، انہوں نے ہمیشہ ان مناصب کے اختیار کرنے سے احتراز کیا، اور ملوک و سلاطین اسلام کے تشدد اور تکلیف دہی کے باوجود ان خدمات کو قبول نہ کیا۔ اب جو کوئی سعی کرکے ایسے مراتب کا طالب ہوتا ہے وہ یقیناً اہل دنیا ہے، اہل عقبیٰ نہیں!“

نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ